مولانا محمد رمضان سلفی[1]
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی[2]

تحقیق حدیث میں عقلی درایتی اصولوں کا قیام: محدثین کی نظر میں

Abstract

In the verification of Ḥadīth, there are two important terminologies used: Riwāyah (narration) and Dirāyah (cognition). The former relates to the narration or transmission and the latter relates to the text of the Ḥadīth. The noble scholars of Ḥadīth have verified the Prophetic traditions by principles that consider both, cognition and transmission of these narrations. However, some contemporary scholars are of the view that Aḥadīth are only verified in terms of their transmission and the cognition or reasonableness of the text remains yet to be verified, but this opinion is incorrect.

Verification of Ḥadtīh with respect to its transmission refers to the validation or verification of its chain of narration primarily, whereas the verification with respect to its cognition means to observe if the meaning is appealing logically and in conformity to Qur'ānic meaning or not. The cognitive principles that are put forward by some of these contemporary scholars are not those of Muḥaddithīn, because the principles of Muḥaddithīn are already transcribed in their books of Usūl al-Ḥadīth (Principles of Ḥadīth) and they are not part of them.

In the view of Muḥaddithīn, the principles those are applicable

1 شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور
2 پرنسپل لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز، لاہور

for rejecting a Ḥadīth, do not include any principle that allows one to reject a narration based on its inconformity to Qur'ānic meaning. Nevertheless, it could be considered as an indication but not a primary principle. Therefore, any such Ḥadīth that is not found in the primary books of Aḥādīth and is also against the meaning of any Qur'ānic Verse can be renounced. It is notable however that it will be renounced primarily on the basis of its chain of narration and not merely because of its inconformity, because any such Ḥadīth is unlikely to have any valid chain of narration.

As opposed to the classical view, the modernistic approach towards these principles based on cognitive consideration entails discarding narrations that are not only approved by the strong chain of narration and principles of validity, but also those that are found in the two major books of Hādīth i.e. Sahīhayn. It is also notable that according to this approach, the reason for renunciation implies declaration of any such narration to be inconformity to Qur'ān merely on the basis of an individual's understanding and interpretation as opposed to the classical or mainstream understanding of scholarly experts of the field. Similarly, in practice, according to the modern view, the meaning of any narration that is considered logically unreasonable refers to that specific narration which fails to appeal an individual's reason and logic rather than mainstream academics' reasoning and comprehension.

عصر حاضر میں حدیث نبوی کی درایتی تحقیق کا مطالبہ بڑی شد و مد کے ساتھ جاری ہے اور بعض معاصر اسکالر حضرات حدیث نبوی کو خلاف قرآن یا خلاف عقل قرار دے کر اس کو رد کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ آج کل اس مخصوص فکر و ذہن کے ساتھ حدیث نبوی کا انکار کرنا ایک عام مشغلہ بن کر رہ گیا ہے کہ جسے سند جواز فراہم کرنے

کے لیے کبھی تو خود آئمہ سلف کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور کبھی اِستدراکات صحابہ رضی اللہ عنہم کا سہارا لیا جاتا ہے اور کبھی محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اصول درایت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نہ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درایت کے اس عقلی منہج کے ساتھ کوئی علاقہ ہے اور نہ ہی محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کو اس غلط تصور کے ساتھ کوئی واسطہ، کیونکہ جب عربی زبان میں لفظ درایت عقل کے معنیٰ میں مستعمل ہی نہیں تو درایت حدیث کے نام پر حدیث رسول ﷺ کو عقل یا عقل عام کے خلاف کہہ کر رد کر دینے کا اصول بے جا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی طرف منسوب ان چند اقوال کی وضاحت پیش کریں گے کہ جنہیں 'اہل درایت' نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے بطور حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں ہم وضاحت کریں گے کہ ان اقوال کی نوعیت کیا ہے؟ اور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کس قسم کی متنی تحقیق کے قائل ہیں؟ نقد روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے عام طور پر درج ذیل محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو سر فہرست ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 463ھ)
2۔ عثمان بن عبد الرحمن بن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 643ھ)
3۔ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 702ھ)
4۔ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 751ھ)
5۔ علی بن محمد کنانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 963ھ)
6۔ عمر بن بدر حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 622ھ)
7۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1014ھ)
8۔ شمس الدین محمد سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 902ھ)
9۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 597ھ)

اِمام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام آئمہ کی صف میں ہوتا ہے۔ 'درایت' کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں لکھتے ہیں:

"وإذا روى الثقة المأمون خبرا متصل الإسناد رد بأمور: أحدها أن يخالف موجبات العقول فيعلم بطلانه لأن الشرع إنما يرد بمجوزات العقول وأما بخلاف العقول فلا. والثاني أن يخالف نص الكتاب أو السنة المتواترة فيعلم أنه لا أصل له أو منسوخ. والثالث أن يخالف الإجماع فيستدل على أنه منسوخ أو لا أصل له لأنه لايجوز أن يكون صحيحا غير منسوخ وتجمع الأمة على خلافه والرابع أن ينفرد الواحد برواية ما يجب على كافة الخلق علمه فيدل ذالك على أنه لا أصل له لأنه لا يجوز أن يكون له أصل وينفرد هو بعلمه من بين الخلق العظيم. والخامس أن ينفرد برواية ما جرت العادة بأن ينقله أهل التواتر فلا يقبل لأنه لا يجوز أن ينفرد في مثل هذا بالرواية."[1]

---

[1] البغدادي، خطيب، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، الفقيه والمتفقه، تعليق، الشيخ إسماعيل الأنصاري: 1/ 132، دار أحياء السنة النبوية، 1975م

"جب کوئی ثقہ اور مامون راوی ایسی روایت بیان کرے جس کی سند بھی متصل ہو تو اس کو ان امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا: ایک یہ کہ وہ تقاضائے عقل کے خلاف ہو۔ اس سے اس کا بطلان معلوم ہو گا کیونکہ شرع کا ورود عقل کے مقتضیات کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ عقل کے خلاف۔ دوسرا یہ کہ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوتا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا یہ منسوخ ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو۔ اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ وہ منسوخ ہے یا اسکی کوئی اصل نہیں کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہو اور امت کا اس کے خلاف اجماع ہو جائے۔ چوتھا یہ کہ ایسے واقعہ کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایسی بات کی کوئی اصل ہو اور تمام لوگوں میں سے صرف ایک راوی اس کو نقل کرے۔ پانچویں یہ کہ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی قبول نہیں ہو گی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایسے واقعہ کو نقل کرنے والا صرف ایک آدمی ہو۔"

امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کو امیر المومنین فی اصول الحدیث کا مقام حاصل ہے۔ تحقیق متن کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوي أو المروي، فقد وضعت أحاديث طويلة يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها."[1]

"کبھی محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم حدیث کے جعلی ہونے کا فیصلہ راوی یا مروی یعنی متن کو دیکھ کر کرتے ہیں، چنانچہ بہت سی طویل حدیثوں کے الفاظ و معانی کی رکاکت (سطحیت) خود ان کے مَن گھڑت ہونے کی شہادت دیتی ہے۔"

امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وكثيرا ما يحكمون بالوضع باعتبار أمور ترجع إلى المروي وألفاظ الحديث."[2]

"اکثر و بیشتر محدثین جن علامات کی بنیاد پر حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہیں اس کا تعلق مروی اور الفاظِ حدیث سے ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

اِمام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نقدِ روایت کے درایتی معیار کی وضاحت کے لیے

---

1 ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، مقدمة ابن الصلاح: ص 89، المكتبة العلمية، المدينة المنورة

2 السخاوي، أبي عبد الله محمد بن عبد الرحمن، فتح المغيث: 1/331، مكتبة السنة، مصر، 2003م

"المنار المنيف في الحديث الصحيح والضعيف" کے نام سے مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے ان درایتی اصولوں کا تذکرہ وضاحتاً کیا ہے کہ اگر وہ کسی بھی حدیث میں پائے جائیں تو حدیث ضعیف ہو گی۔ مثلاً ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حدیث «من عشق وكتم وعفى وصبر غفر الله له وأدخله الجنة» پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

"فلو كان إسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطا ووهما." [1]

"اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح ہوتی تو بھی یہ غلط اور وہم ہو گی۔"

ابوالحسن علی بن محمد کنانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

اسی طرح ابوالحسن علی بن محمد کنانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'موضوعات' سے متعلقہ اپنی معروف کتاب میں فرمایا ہے:

"قرينة في المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التأويل ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة والعادة." [2]

"مروی (متن) میں وضعی ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ وہ مقتضائے عقل کے خلاف اس طرح ہو کہ کوئی تاویل نہ قبول کر سکے، اسی میں وہ بھی شامل ہے جو حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔"

عمر بن بدر الموصلی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

محدثین کرام کا تحقیق متن کے سلسلہ میں کیا منہج ہے؟ اس بارے عمر بن بدر الموصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لم يقف العلماء عند نقد الحديث من حيث سنده بل تعدوا إلى النظر في متنه فقضوا على كثير من الأحاديث بالوضع وإن كان سندا سالما إذا وجدوا في متونها عللا تقضي بعدم قبولها." [3]

"علما نے نقد حدیث کے معاملے میں صرف سند پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس دائرے میں متن کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کے موضوع ہونے کا فیصلہ کیا ہے جن کی سندیں اگرچہ درست تھیں لیکن ان کے متن میں ایسی خرابیاں پائی جاتی تھیں جو ان کو قبول کرنے سے مانع تھیں۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا موقف

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" میں اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المغیث

---

[1] الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم، زاد المعاد: 276/4، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة السابعة والعشرون، 1994م

[2] الكناني، نور الدين علي بن محمد، تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الشيعة الموضوعة: 6/1، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1399ھ

[3] لقمان سلفی، محمد، اهتمام المحدثين بنقد الحديث سندا ومتنا: ص393، دار الداعي للنشر والتوزيع، الرياض

میں 'موضوع' کی بحث کے ضمن میں ان علامات کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے جو عام طور پر موضوع روایات کے متن میں پائی جاتی ہیں۔ 'اہل درایت' نے امام ابن قیم، ملا علی قاری، امام سخاوی اور امام ابن جوزی رحمہم اللہ کو ہی نقد روایت کے درایتی معیار میں اصل بنیاد کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ بلکہ علامہ تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف 'حدیث کا درایتی معیار' میں انہی اشخاص کے حوالے سے 26 کے قریب درایتی اصول ذکر کیے ہیں اور دعوی کیا ہے کہ یہی وہ ضابطے ہیں جن کی روشنی میں ایک حدیث کو قبول کرنے کا معیار قائم ہوتا ہے۔[1]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کا موقف

① امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے نقد روایت میں متن سے متعلق ضوابط کو نہایت خوبصورت طریقے سے مختصر اور جامع الفاظ میں یوں سمیٹ دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

”ما أحسن قول القائل: إذا رأيت الحديث يباين المعقول أويخالف المنقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع.“[2]

”کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کوئی روایت عقل و نقل یا اصول کے خلاف ہو تو وہ موضوع ہے۔“

② اس سلسلہ میں ابن جوزی رحمہ اللہ کا ایک اور مشہور قول یہ ہے:

”الحديث المنكر يقشعر له جلد الطالب للعلم وينفر منه قلبه في الغالب.“[3]

” حدیث منکر وہ ہوتی ہے کہ جس کے ظاہری متن ہی سے طالب علم کو وحشت ہوتی ہے اور اس کا دل اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے لیکن یہ حالت اکثر ہوتی ہے، ہر صورت نہیں۔“

③ محدث ابن جوزی رحمہ اللہ کا ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں:

”وقد يكون الإسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا أو مقلوبا.“[4]

”کبھی کل سندیں ثقہ ہوتی ہیں، پھر بھی حدیث موضوع یا مقلوب ہوتی ہے۔“

بعض محدثین رحمہم اللہ کی طرف منسوب درایتی عقلی اصولوں کا جائزہ

حدیث کے درایتی معیار کے ضمن میں علامہ تقی امینی رحمہ اللہ اور ان کے ہم فکر حضرات کو دراصل محدثین کرام رحمہم اللہ کے فن میں موجود مباحث میں عدم نکھار کے وجہ سے یہ مغالطہ لگا ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کسی

---

1 امینی، محمد تقی، مولانا، حدیث کا درایتی معیار: ص 191-259، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 1986م

2 السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، تدريب الراوی: 1/277، دار نشر الكتب الإسلامية، شارع شيش محل، لاهور

3 ابن الجوزي، أبي الفرج عبد الرحمن بن علي، الإمام، الموضوعات: 1/146، مكتبة التدمرية، الرياض

4 الموضوعات: 1/141

حدیث کو محض متن میں پائے جانے والی کمزوری کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں، حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ تفصیل اس امر کی یہ ہے کہ درایتی معیار کے حاملین موضوع یا ضعیف حدیث کی تعریف اور اس کے پہچاننے کی علامات میں فرق نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'حدیث کے درایتی معیار' میں ملا علی قاری کی "الأسرار المرفوعة" یا امام سخاوی کی "فتح المغیث" یا امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی "المنار المنیف" کے حوالے سے جو درایتی اصول بیان کئے ہیں وہ سارے معرفت وضع الحدیث کے کلیات و قواعد ہیں۔ جنہیں محدثین قرائن کے قبیل سے بیان کرتے ہیں، نا کہ اس طور پر کہ کونسی حدیث کب موضوع ہوتی ہے یا کب ضعیف ہوتی ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ موضوع یا ضعیف حدیث وہی ہوتی ہے جس میں کوئی واضع یا مجروح راوی پایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول حدیث کی تمام عربی کتب میں رکاکت الفاظ، مخالف قرآن روایت، عقل عام یا صریح عقل کے مخالف روایت، متعین تاریخی حقائق کے خلاف روایت، حس کے مخالف حدیث وغیرہ جیسے اصولوں کو "کیف یُعرَف الحدیث الموضوع" کا عنوان قائم کر کے بیان کیا گیا ہے اور یہ تمام محدثین جب موضوع یا ضعیف حدیث کی تعریف کرتے ہیں تو تعریف الموضوع کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"إذا كان سبب الطعن في الراوي هو الكذب على رسول الله ﷺ فحديثه يسمى الموضوع." [1]

اسی طرح تمام ائمہ حدیث ضعیف حدیث کی تعریف میں واضح کرتے ہیں کہ جو روایت درجہ حسن کو نہ پہنچ سکے، ضعیف کہلاتی ہے۔ امام بیقونی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1080ھ) اپنے مشہور منظومہ اصول حدیث میں فرماتے ہیں:

"كل ما عن رتبة الحسن قصر فهو الضعيف وهو أقسام كثر."

اسی طرح امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ خبر صحیح اور خبر ضعیف کی تعریف کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"خبر صحیح وہ ہوتی ہے جس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل و ضابط ہوں۔ ضبط قوی ہو تو روایت کو صحیح اور ضبط خفیف ہو تو روایت کو حسن کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر روایت میں روای عادل نہ ہو یا راوی کا ضبط ضعیف ہو تو وہ روایت محدثین رحمہم اللہ کے ہاں ضعیف کہلائے گی۔"[2]

صورت حال یہ ہے کہ جب محدثین کرام رحمہم اللہ نے ضعیف یا موضوع احادیث کا عام طور پر جائزہ لیا یا ان پر آگاہی کے لیے تصانیف مرتب کیں تو انہوں نے اس قسم کی احادیث میں چند ایسی عمومی علامات پائیں کہ جو حدیث بھی اپنے رواۃ کی نسبت سے ضعیف یا موضوع ثابت ہوئی ان میں یہ علامات پائی گئیں۔ اسی سے محدثین رحمہم اللہ نے موضوعات سے متعلقہ اپنی کتب میں یہ اسلوب اختیار فرمایا کہ موضوع حدیث کی تعریف ذکر

---

[1] عراقي، أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين بن عبد الرحمن، التبصرة والتذكرة وشرحها: ص166، دار الكتب العلمية، بيروت، س ن

[2] فتح المغيث: 1/ 96

کرنے کے بعد مستقلاً اس موضوع کو بھی زیر بحث لاتے ہیں کہ وہ علامات کونسی ہیں جو موضوع یا ضعیف حدیث میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔

صحیح حدیثوں کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 405ھ) نے اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 64ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"له ضوء كضوء النهار."[1]

"صحیح حدیثوں میں روشنی دن میں روشنی کی طرح ہوتی ہے۔"

ضعیف حدیثوں کے بارے میں ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"له ظلمة كظلمة الليل."[2]

"ضعیف حدیثوں میں تاریکی رات کی تاریکی کی طرح ہوتی ہے۔"

موضوع روایت کی پہچان کی علامات کے سلسلے میں حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کچھ علامات کا ذکر کرتے ہیں:

"إنما يعرف كونَ الحديث موضوعا بإقرار واضعه أو ما يتنزل منزلة إقراره، وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوى أو المروى."[3]

"موضوع حدیث اس طرح پہچانی جاتی ہے کہ اس کا واضع خود اقرار کر لے یا اقرار کے قائم مقام کوئی چیز ظاہر ہو اور کبھی اہل علم راوی اور مروی (یعنی متنِ حدیث) کی حالت کے قرینے سے بھی موضوع حدیث کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔"

اس حوالے سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں:

"والأحاديث الموضوعة عليها ظلمة وركاكة ومجاز فات باردة تنادى على وضعها واختلافها."[4]

"موضوع حدیثوں میں ایک خاص قسم کی تاریکی، سطحیت اور بے تکا پن پایا جاتا ہے، جو اس کے جعلی ہونے کو پکار پکار کر کہتا ہے۔"

لیکن یہ بات یاد رہے کہ متنِ حدیث کو دیکھ کر کسی روایت کے موضوع ہونے کا پتہ لگانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، بلکہ یہ صرف اسی فنِ حدیث کے ماہر کا کام ہے، جو سننِ صحیحہ کی معرفت میں انتہائی پختہ ہو، سنن و آثار اور

---

1 النيسابوري، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله، معرفة علوم الحديث:ص 62، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية،1977م

2 معرفة علوم الحديث: ص 26

3 مقدمة ابن الصلاح: ص 58

4 ملاعلي القارى، نور الدين علي بن محمد بن سلطان، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرىٰ، تحقيق محمد بن لطفى، المكتب الإسلامي، بيروت ، الطبعة الثانية، 1986م

سیرتِ رسول ﷺ کی معرفت میں اسے ملکہ حاصل ہو، اسے علم ہو کہ رسول ﷺ کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس سے روکتے ہیں، کس کی ترغیب دیتے ہیں اور کس سے ڈراتے ہیں، کسے پسند کرتے ہیں اور کسے ناپسند کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظِ حدیث کے ذریعے وضعِ حدیث کا حکم لگانا صرف اسی کا کام ہے جو نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال میں تتبع کرنے اور ان میں سے صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے کا حریص ہو، جیسا کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔[1]

امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ صرف اسی کا کام ہے جو نبی کریم ﷺ کے الفاظ کی جستجو میں بہت زیادہ کوشاں ہو اور اسے نبی ﷺ اور دوسروں کے الفاظ کی پہچان میں مہارت حاصل ہو۔[2]

امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 805ھ) نے بھی یہی بات یوں فرماتے ہیں:

"نقادِ حدیث میں ایک خاص قسم کا ملکہ پیدا ہو چکا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ موضوع حدیث کو پہچان لیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کئی سال خدمت کرے تو اسے اس کی پسند اور ناپسند کا علم ہو جاتا ہے، پھر اگر کوئی دوسرا شخص آکر یہ دعویٰ کرے کہ اسے فلاں چیز سے نفرت ہے تو خادم اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کرتا کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اسے پسند کرتا ہے۔ یعنی مجرد سماع سے ہی اسے اس بات کا جھوٹ پتہ چل جاتا ہے (یہی حال نقادِ حدیث کا بھی ہے کہ انہیں مجرد سماع سے ہی حدیث کے موضوع و من گھڑت ہونے کا علم ہو جاتا ہے)۔"[3]

اس کے برعکس بعض معاصر اسکالرز حضرات عقلی درایتی اصولوں کی روشنی میں محدثین کی روایات کو ضعیف اور موضوع قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ تمام محدثین کہ جن کے حوالے سے یہ درایتی اصول نقل کیے جاتے ہیں۔ صحیحین کی روایات کی صحت پر متفق ہیں تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ مذکورہ بالا محدثین کی ان عبارتوں کو اس معنیٰ میں بھی لے لیا جائے کہ جس معنیٰ میں بعض معاصر اسکالرز لیتے ہیں تو پھر بھی ان اسکالرز حضرات کو یہ حق کم از کم نہیں پہنچتا ہے کہ وہ ان محدثین کے انہی درایتی اصولوں کی روشنی میں ان روایات کو مردود قرار دیں کہ جو انہی محدثین کے نزدیک قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔

ضعف حدیث میں علامت اور علت کا فرق

واضح رہے کہ حدیث میں متن کی 'درایت' سے متعلق محدثین کرام کے جو اقوال اوپر ذکر کیے گئے ہیں ان کا

---

[1] ابن قیم، محمد بن أبي بكر بن أيوب، المنار المنيف في الصحيح والضعيف: ص 44، تحقيق، محمود مهدى استانبولي، مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الأولى، 1390هـ/ 1970م

[2] فتح المغيث: 1/268

[3] تدريب الراوى: ص 171

عمومی مفہوم یہ ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ خلاف قرآن، خلاف عقل وغیرہ امور کو بھی تحقیق ودرایت حدیث میں ایک حیثیت دیتے ہیں، لیکن وہ حیثیت 'علت' کی نہیں بلکہ 'علامت' کی ہے۔ جیسا کہ اس کی مثال بلڈ پریشر یا بخار کی سی ہے کہ ان میں ڈاکٹر نبض یا سٹیتھوسکوپ کے ذریعے مرض کی تشخیص کی کوشش کرتا ہے لیکن ممکن ہے کہ جسم کی حرارت یا خون کا پریشر کسی اور وجہ سے ہو۔ گویا بخار میں جسم کا گرم ہونا اور بلڈ پریشر میں مریض کے چہرہ کا سرخ ہو جانا یا سر چکرانا وغیرہ یہ چیزیں بیماری کے معلوم کرنے کی علامات بنتی ہیں، نہ کہ خود بیماری کی وجہ ہیں۔ ان علامات کے ذریعے ایک ڈاکٹر مریض کی تشخیص کرکے اصل مرض تک پہنچ جاتا ہے۔ عین اسی طرح محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک روایت کا قرآن، عقل، خبر متواترہ کے ظاہراً خلاف ہونا یا کوئی اور ذریعہ اس بات کی علامات ہیں کہ حدیث کی تحقیق دوبارہ کی جائے، نہ کہ یہ وہ اساسی کمزوریاں ہیں کہ محض ان کی بنا پر حدیث کو موضوع یا ضعیف کہہ دیا جائے۔ حدیث کے مردود ہونے کی علت عدم ثقاہت، انقطاع سند، شذوذ اور معلول ہونا ہے جبکہ اس کے مردود ہونے کی علامات میں اس کا خلاف قرآن اور خلاف عقل ہونا ہے وغیرہ۔ علامت سے حدیث کے مردود ہونے کی تشخیص ہوتی ہے جبکہ علت سے حدیث کے مردود قرار پاتی ہے۔

موضوع حدیث وہ ہوتی ہے کہ جس میں پائے جانے والے کسی واضع راوی کے سبب اس روایت کو من گھڑت اور خود ساختہ قرار دیا جائے۔ اس قسم کی موضوع احادیث کا جب محدثین کرام رحمہم اللہ اور محققین نے جائزہ لیا تو انہوں نے اس قسم کی احادیث کو عام فہم طور پر بیان کرنے کے لیے چند ایسے اکثری اور اغلبی قواعد بیان کر دیے، جو موضوع احادیث میں عام جائزہ کے بعد انہیں بدیہی نظر آئے۔ اس قسم کے قواعد کو انہوں نے 'معرفۃ وضع حدیث کے طرق' کے عنوان سے ذکر کر دیا۔

جیسا کہ علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1332ھ) نے مستقل عنوان قائم کرکے تصریح فرمائی ہے کہ معرفت ضعیف یا معرفت موضوع کے تحت آئمہ نے جو کلیات عام طور پر ذکر کیے ہیں اس قسم کے کلیات قرائن میں سے ہوتے ہیں۔[1] امام نووی رحمہ اللہ (متوفیٰ 676ھ) بھی اس قسم کے اصولوں کو 'تقریب' میں "معرفة وضع الحدیث" کی بحث قرار دیتے ہیں۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ اگر اس بات پر ہی ذرا غور کر لیا جاتا تو مسئلہ واضح ہو جاتا کہ علامہ ابن الجوزی، ملا علی قاری، علامہ ابن قیم، علامہ سخاوی (متوفیٰ 902ھ) رحمہم اللہ وغیرہ کہ جنہوں نے موضوع روایات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اپنے اس قسم کے تمام ضوابط ان کتابوں میں درج کیے ہیں۔ چنانچہ یہ کتب ان ائمہ نے ضعیف یا صحیح روایت کے اصولوں پر نہیں لکھیں، بلکہ ان اصولوں پر مشتمل کتب تو 'اصول حدیث' کی کتب کہلاتی ہیں۔ یہ کتب

---

1 قاسمي، جمال الدين، قواعد التحديث: ص156، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1979م

2 تدريب الراوي: 1/274

انہوں نے محض ان اُصولوں کے اطلاقات کے بعد نتائج کی صورت میں احادیث میں سے جو مردود یا مقبول احادیث میں نکھار ہوا تو ان کو جمع کر کے مستقل تصنیفات میں اکٹھا کر دیا گیا۔ جیسا کہ اسی قسم کا کام دور حاضر کے نامور محدث علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1420ھ) نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" اور "سلسلة الأحاديث الضعيفة" کے نام سے دو مستقل انسائیکلو پیڈیاز تیار کر کے کیا ہے۔ چنانچہ ان سب ضوابط کا ائمہ مذکورہ کی طرف سے موضوعات سے متعلقہ کتب میں درج ہونا اس بات کی قوی اور سادی دلیل ہے کہ یہ اصول ضعفِ حدیث کے بنیاد کے طور پر نہیں بلکہ موضوع حدیثوں میں پائی جانے والی مشترکہ اشیا کے جائزہ کے بعد ان کے حوالے سے اکثری قواعد پر مشتمل ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فن حدیث کے ماہرین نے ضعیف اور موضوع احادیث کو عمومی طور پر جاننے کے لیے کچھ ایسی علامات ذکر فرمائی ہیں کہ جن کے ذریعے متنِ حدیث کو دیکھ کر روایت کی کمزوری کو جانا جاسکتا ہے۔ ان علامات کا تفصیلی ذکر مشہور اہل علم میں سے خاص طور پر اِمام ابن قیم نے "المنار المنيف" میں، حافظ سیوطی (متوفیٰ 911ھ) نے "اللآلي المصنوعة" میں، ملا علی قاری (متوفیٰ 1014ھ) نے "الأسراء المرفوعة" میں، اِمام ابن جوزی نے "الموضوعات" میں، اِمام سخاوی نے "المقاصد الحسنة" اور "فتح المغيث" میں اور ابوالحسن علی بن محمد (متوفیٰ 963ھ) رحمۃ اللہ علیہم نے "تنزيه الشريعة الموفوعة" میں کیا ہے۔ ان تمام کتب میں ذکر کردہ اصولوں / علامتوں کو مجموعی طور پر علامہ محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'حدیث کے درایتی معیار' میں بالتفصیل بیان کرتے ہوئے 26 متعدد اصول اور علامات ضُعف ذکر کی ہیں۔[1]

موضوع اور ضعیف حدیث کی معرفت کے قواعد کی نوعیت

ان قواعد کے بارے میں خود محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے واضح کیا ہے کہ اس قسم کی علامات کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ چنانچہ اس ضمن وہ بعض باتیں واضح کرتے ہیں:

① یہ ضوابط صحیح یا ضعیف کی معرفت کے قواعد ہیں، ناکہ تحقیق روایت میں حکم ان قواعد کی بنیاد پر لگتا ہے۔ جیسا کہ اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔[2]

② یہ قواعد اکثری ہیں، کلی نہیں۔ یعنی ایسی صحیح روایات بھی موجود ہیں کہ جن کا جائزہ لیا جائے تو وہ اس سلسلہ میں مل جاتی ہیں کہ وہ قرآن کریم یا سنت معلومہ یا عقل وحواس سے حاصل ہونے والے علم کے بظاہر مخالفت ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ابن جوزی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

"وينفر منه قلبه في الغالب."[3]

---

1 حدیث کا درایتی معیار: ص 191-259

2 الموضوعات: 1/146

3 أيضاً: 1/146

”حدیث منکر وہ ہوتی ہے کہ جس کا ظاہری متن ہی سے طالب علم کو وحشت ہوتی ہے اور اس کا دل اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہیں، لیکن یہ اکثر ہوتا ہے، ہر صورت نہیں۔“

المختصر ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ارشادات میں خود انہوں نے اپنی تصریحات کے مطابق اور بعد میں آنے والے ماہرین فن حدیث کے ہاں معرفت ضعیف، معرفت موضوع یا معرفت منکر وغیرہ جیسے عنوانات سے جو بحث ملتی ہے، اس میں متن سے متعلق ضوابط کو انہوں نے حدیث کے مردود ہونے کے لیے بطور قرائن بیان کیا ہے۔ چنانچہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا تحقیق حدیث کے میدان میں ایک عرصہ خدمات سرانجام دینے کے بعد جو ایک فنی ذوق بن جاتا ہے، روایت پر حکم لگاتے ہوئے اس کا ٹھیک وہی مقام ہے جو ہماری روزہ مرہ کی زندگی میں عدالتوں میں شاہدین واقعہ کے ساتھ کسی تجربہ کار قاضی کے تجربہ کا ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کے درایتی موقف کا تجزیہ

'اہل درایت' عام طور پر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ضعیف حدیث کو پہچاننے سے متعلق جو ضوابط ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی موضوع حدیث کی علامات اور قرائن کے قبیل سے ہیں۔ لیکن وضاحت کے پیش نظر خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت اوپر پیش کی گئی ہے اس کا جزوی تجزیہ ہم ذیل میں کیے دیتے ہیں۔ خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ملخص یہی ہے کہ ان کے نزدیک ثقہ اور مامون رواۃ کی بیان کردہ روایت کو مندرجہ ذیل امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا:

① وہ تقاضائے عقل کے خلاف ہو۔
② وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔
③ وہ اجماع کے خلاف ہو۔
④ ایسی روایت کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔
⑤ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہوں۔[1]

ان پانچوں امور پر ترتیب وار ذیل میں تبصرہ کیا جاتا ہے۔

جہاں تک تقاضائے عقل کے خلاف کسی حدیث کو رد کر دینے کا تعلق ہے تو اس قاعدے کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ بعض حضرات اپنی ذاتی عقل کو یا بعض مکاتب فکر اپنی مخصوص عقل و فکر کو عقل کل کا نام دے کر اس کے خلاف سمجھ آنے والی ہر حدیث کو رد کر دینا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ علما حدیث ہی کی طرف سے اس کی عقل کے ساتھ مطابقت کی صراحت موجود ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہر گز نہیں ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اپنی ذاتی یا جماعتی عقل کو عقل عام قرار دے کر اس کے خلاف آنے والی احادیث کو رد کرتا

[1] الفقیہ والمتفقہ: 1/132

جائے اور جن علماء نے ایسی احادیث کی عقل کے ساتھ موافقت کو واضح کیا ہے، ان سے سنی ہوئی بات کو ان سنی کر دے۔

جہاں تک کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے خلاف حدیث کو رد کرنے کے اصول کا تعلق ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ دراصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث جو طرق صحت سے ثابت ہو چکی ہو اور اسے فن حدیث کے ماہر علمائے کرام و محدثین عظام رحمہم اللہ قبول کرتے اور اپنی مصنفات میں ذکر کرتے آرہے ہوں، وہ کتاب اللہ یا سنت متواترہ کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی، کتاب و سنت کے خلاف وہی حدیث ہوتی ہے جو صحیح ثابت نہ ہو۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفیٰ 311ھ) نے اسی لئے فرمایا تھا:

"لا أعرف أنه روى عن رسول الله ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادان فمن كان عنده فليأت به حتى أؤلف بينهما." [1]

"نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی دو احادیث بھی ایسی نہیں ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے آپس میں مخالف ہوں، جس کسی کے پاس ایسی دو احادیث ہیں وہ لے آئے تاکہ میں ان میں مطابقت اور مفاہمت واضح کر دوں۔"

اجماع کے خلاف حدیث کو رد کرنے کے اصول کو بھی غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض مکاتب فکر کسی مسئلہ پر اپنے مذہبی یا مسلکی اتفاق کو اجماع کا نام دے دیتے ہیں اور اس کے خلاف آنے والی حدیث کو مخالفتِ اجماع کے دعویٰ سے رد کر دیتے ہیں، حالانکہ متعدد علماء امت اس مسئلہ میں مخالف رائے رکھتے ہیں کہ جس پر اجماع کا دعویٰ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور کسی بھی مسئلہ میں ایک مجتہد کی مخالفت کی صورت میں بھی اجماع متحقق نہیں ہو سکتا۔ امام ابو الولید باجی رحمہ اللہ (متوفیٰ 474ھ) کہتے ہیں:

"لا ينعقد الإجماع إلا باتفاق العلماء جملة فإن شذ منهم واحد لم يكن إجماع." [2]

"جب علما کا اتفاق ہو جائے تو اجماع کہلاتا ہے۔ کسی ایک عالم کے اختلاف کی صورت میں اجماع نہیں ہوگا۔"

یہ دعویٰ کہ "وہ بات جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہو، اسے ایک ہی راوی بیان کرے تو اسے بھی رد کر دیا جائے گا۔" اسلاف امت کے ہاں مسلم قاعدہ نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ (متوفیٰ 676ھ) فرماتے ہیں:

"اہل علم کے ہاں ذخیرہ حدیث میں تین احادیث ایسی ہیں جن پر پورے اسلام کا دار و مدار ہے:

"إنما الأعمال بالنية. الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات ... الخ. من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه." [3]

---

1 البغدادى، خطيب، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، الكفاية: ص 606، المكتبة العلمية، المدينة المنورة

2 الباجى، أبو الوليد سليمان بن خلف، إحكام الفصول في أحكام الأصول، تحقيق: عبد الله الجبورى: ص 393، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، 1989م

3 النووي، أبو زكريا، يحيي الدين يحي بن شرف، المنهاج شرح الصحيح مسلم: 11/27، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية، 1392هـ

ان میں سے پہلی دونوں احادیث ایسی ہیں جنہیں روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے، حالانکہ یہ ایسے احکام پر مشتمل ہیں جن کا علم تمام لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ صحت نیت اور حلال و حرام میں تمیز سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث نبوی کے خلاف اصول گھڑنے والے حضرات بھی ان احکام کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے کہ جن پر یہ احادیث نبویہ مشتمل ہیں۔ لہٰذا ثقہ راوی کی بیان کردہ حدیث امت مسلمہ کے ہاں قبول ہے، خواہ وہ اس کی روایت میں منفرد ہی کیوں نہ ہو۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ یہ اصول کہ وہ بات جو تواتر سے نقل ہونی چاہئے، اسے اگر ایک ہی شخص نقل کرے تو وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ یہ اصول اپنے نقطہ آغاز ہی سے ناقابل عمل ہے کیونکہ پورے قرآن اور دین اسلام کی وحی صرف ایک ہی شخص پر نازل ہوئی ہے جو کہ نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز ہیں۔ اس کے بعد اس نبی کی نبوت میں کئی مواقع ایسے بھی آئے جہاں دوسرے علاقوں کی طرف عقائد و احکام کی تبلیغ کے لئے نبی کی طرف سے ایک ہی مبلغ یا گورنر کو منتخب کیا گیا ہے اور وہ اکیلا ہی تواتر سے متعلقہ اور غیر متعلقہ سب احکام لوگوں کو پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا رہا۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بالکل واضح رہنا چاہیے کہ انہوں نے صراحتًا مذکورہ کلام کو اپنے مشہور 'مقدمہ اصول حدیث' میں معرفۃ الموضوع یعنی موضوع حدیث کی پہچان کیسے ہوگی؟ کا عنوان قائم کر کے ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ان سے سند سے قطع نظر متن کی تحقیق کے دعوی کو کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قول کو منسوب کیا ہے، اس سے بالبداہت واضح ہے کہ انہوں نے یہ قول 'معرفۃ وضع الحدیث' کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی جس تصنیف کو درایتی نقد کے اثبات کے لیے بنیاد بنایا جاتا ہے، اس کتاب کی ابتدا ہی میں واضح طور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ سند کو دیکھے بغیر کیا صرف متن کے ذریعے موضوع روایات کی معرفت و پہچان ممکن ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب میں یہی جواب دیا ہے کہ موضوع حدیث کے متن کو دیکھ کر بعض علامات اور قواعد کے ذریعے موضوع حدیث کی معرفت ممکن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب کس طرح ہو سکتا ہے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب موضوع حدیث کے اصول وضوابط پر لکھی ہے؟ صحیح بات یہی ہے کہ ''المنار المنیف'' کا موضوع 'معرفت موضوع حدیث' ہے نہ کہ موضوع حدیث کے اصول وضوابط کا بیان۔

ابو الحسن کنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جس قول کو درایتی نقد کے اثبات میں پیش کیا گیا ہے وہ ان کی موضوعات پر مشتمل کتاب کی بحث ''حقیقة الموضوع وإماراته وحكمه'' سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ جو بات متن کی تحقیق سے متعلقہ انہوں نے ارشاد فرمائی ہے اس کا تعلق بھی 'علامات وضع حدیث' سے ہے۔

محدثین کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے معاصر درایتی نقد کے اثبات میں پیش کیے گئے ناموں میں سے ایک نام

محدث عمر بن بدر الموصلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 622ھ) کا بھی ہے، لیکن ان کے حوالے سے جس قول کو اوپر درج کیا گیا ہے اس سے معاصر درایتی نقد کے استدلال کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے تو یہ کہہ کر محدثین کرام رحمہم اللہ کی تائید کر دی ہے کہ محدثین نے نقد حدیث میں صرف سند پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی توجہ متن حدیث کی طرف بھی پوری طرح مبذول رہی ہے اور انہوں نے متعدد ایسی روایات کو موضوع قرار دیا ہے کہ جن میں سند کے ساتھ ساتھ متن کی خرابیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ مزید ان کے قول کا تعلق اس بات سے ہے کہ کسی حدیث کے موضوع ہونے میں اگر محدثین کو راوی یا سند کے ذریعے واقفیت حاصل ہوتی ہے تو اسی طرح اس حدیث کی 'متنی خرابیوں' سے متعلقہ علامات سے بھی محدثین کرام رحمہم اللہ حدیث کے وضع ہونے تک رہنمائی حاصل کر لیتے ہیں۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے درایتی نقد کے ثبوت کے لیے جو قول اوپر پیش کیا گیا ہے، وہ سراسر غلط فہمی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے کیا سمجھا اور خود موصوف کی نظر میں ان کے قول کا مطلب کیا ہے؟ اسے واضح کر دیا جائے۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے نقل کردہ پہلے دو اقوال سے ان کی کیا مراد ہے، کے ضمن میں درج ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے اصولوں کو 'معرفت وضع الحدیث' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔[1] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 911ھ) نے صراحۃً ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کردہ اس قسم کے اقوال کو 'قرائن' کی بحث میں شمار کیا ہے۔[2] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تدریب الراوی میں مزید یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول "ما أحسن قول القائل إذا رأيت الحديث يباين المعقول أو يخالف المنقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع" میں 'خلاف اصول' ان کی کیا مراد ہے؟ فرماتے ہیں:

"ومعنى مناقضته للأصول أن يكون خارجا عن دواوين الإسلام من المسانيد والكتب المشهورة."[3]

"ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی 'خلاف اصول' سے مراد یہ ہے کہ وہ روایت حدیث کی امہات الکتب میں نہ پائی جائے۔"

یہاں بر سبیل تذکرہ یہ بات بھی واضح کر دینی چاہیے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1176ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "حجة الله البالغة" میں محدثین کرام کے حوالے سے کتب حدیث کے چار طبقات ذکر کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ پہلے دو طبقات محفوظ تر ہیں، کہ جن میں انہوں نے صحیحین، موطا امام مالک اور سنن اربعہ وغیرہ کو شمار

---

[1] فتح المغيث: 1/269

[2] تدريب الراوي: 1/233

[3] أيضاً: 1/234

کیا ہے، جبکہ باقی دو طبقات میں پائی جانے والی حدیث کو خوب اہتمام سے انتہائی چھان پھٹک کر کے لینا چاہیے۔[1]

گویا امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو روایت کتب ستہ اور موطا امام مالک میں دستیاب نہ ہو عموماً ضعیف ہوتی ہے۔ اسی لیے 'خلاف اصول' کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"متى رأيت حديثا خارجا عن دواوين الإسلام كالمؤطأ ومسند أحمد والصحيحين وسنن أبي داؤود ونحوهافانظر فيه فإن كان له نظير من الصحاح والحسان قرب أمره وإن ارتبت فيه ورأيته يباين الأصول فتأمل رجال إسناده واعتبر أحوالهم من كتابنا المسمى بالضعفاء والمتروكين فإنك تعرف وجه القدح فيه."[2]

"جب تم کسی حدیث کو اسلام کے دواوین مؤطا، مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور اس کی مثل کتابوں سے خارج دیکھو اور اس کی نظیر صحیح و حسن حدیثوں میں موجود ہو، تو اس کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہے۔ اور اگر تمہیں شک ہو، نیز وہ حدیث 'اصول' کے خلاف ہو تو سند اور راویوں کے حالات پر غور کرو۔ ہماری کتاب جس کا نام "كتاب الضعفاء والمتروكين" ہے، اس سے راویوں کا حال معلوم ہو جائے گا اور حدیث میں خرابی کا پتہ چل جائے گا۔"

بلکہ بعض علمانے تو یہاں تک کہہ دیا ہے :

"کلی قواعد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنی انہی کتب سے نقل کی جائیں کہ جو متداول ہیں، کیونکہ یہ کتب محفوظ ہیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب میں زنادقہ اور ملاحدہ نے موضوع حدیثیں شامل کر دی ہیں، جس کی بنا پر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔"[3]

یاد رہے کہ مذکورہ ضابطہ اکثری ہے، کلی نہیں۔ اسی لیے امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1182ھ) نے فن حدیث کی معروف کتاب توضیح الافکار میں ایک مستقل باب "باب عدم انحصار الصحيح في كتب الحديث" کے نام سے قائم کیا ہے، کہ جس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔[4]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے 'تدریب الراوی' میں علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ تینوں قرائن کو ذکر کرنے کے بعد ان اصولوں کی امثلہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہیں، کہ جن میں اکثر روایات حدیث کی

---

1 الدهلوي، شاه ولي الله ، حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ص 132-135، المكتبة السلفية

2 الموضوعات: 1/141

3 ملا علي القاري، نور الدين علي بن محمد بن سلطان، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة: ص393، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية، 1976م

4 الصنعاني، محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد، توضيح الأفكار: 1/ 53، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1997م

امہات الکتب سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ عقلاً ونقلاً محال بھی ہیں اور اسنادی اعتبار سے یا موضوع ہیں یا ضعیف یا منکر۔[1] مثال کے طور پر انہوں نے اس روایت کو بیان کیا ہے:

"يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس أضر على أمتي من إبليس ويكون في أمتي رجل يقال له أبوحنيفة هو سراج أمتي."[2]

"میری امت میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا نام محمد بن ادریس ہو گا اور وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہو گا۔ اور میری امت میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا نام ابو حنیفہ ہو گا اور وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔"

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چونکہ یہ روایت حدیث کی معتبر اور مشہور کتابوں میں نہیں ہے اس لئے موضوع ہے۔ مزید برآں مخالفت عقل کی بھی انہوں نے مثالوں سے وضاحت کر دی ہے، جیسا کہ اس ضمن میں انہوں نوح علیہ السلام کی کشتی کے خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور پھر مقام ابراہیم پر جا کر دو رکعت نماز ادا کرنے کی روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ روایت حدیث کی امہات الکتب سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ عقلاً بھی محال ہے اور اسنادی پہلو سے بھی بالکل من گھڑت ہے، اس لئے موضوع ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ سے اس قول کو پیش کرنے والے 'اصول کی مخالفت' کا مطلب اپنے عقلی درایتی اصول لیتے ہیں، تو یہ بات قطعاً کسی محدث بشمول ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف نہیں۔

ائمہ فن کی مذکورہ تمام تصریحات سے قطع نظر خود امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف 'الموضوعات' میں باقاعدہ "كيف تُحكم على الحديث صحة وضعفا؟" کا عنوان قائم کر کے وضاحت فرمائی ہے کہ کسی حدیث کی صحت وضعف کی بنیاد قرائن کے بجائے حسی چیزوں یعنی راوی اور سند سے متعلقہ امور پر ہے۔[3] پھر خود اسی کتاب کے ایک اور مقام پر كيف يُعرف الحديث المنكر؟ کا عنوان قائم کر کے یہ اصول بیان کیا ہے کہ

"الحديث المنكر يقشعر له جلد الطالب للعلم وينفر منه قلبه في الغالب."[4]

پس امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی حدیث کے موضوع قرار پانے کا واحد مدار اسی بات پر نہیں ہے کہ وہ روایت خلاف عقل ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کسی روایت کے موضوع ہونے میں اس بات کی بھی شرط عائد کر دی ہے کہ اس کا وجود امہات الکتب میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس سے یہ بات از خود سمجھ آ رہی ہے کہ اگر

---

1 تدريب الراوی: 1/234-237

2 أيضاً: 1/235

3 كتاب الموضوعات: 1/141

4 أيضاً: 1/146

کوئی روایت امہات الکتب میں موجود ہو، جن کی اسناد پایہ کے اعتبار سے انتہا درجہ کی قابل اعتماد ہیں اور اُمہات الکتب کی یہ روایت عقل کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہو تو اس کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ موضوع ہونے میں خلاف عقل ہونے کے ساتھ ساتھ امہات الکتب میں اس کا نہ پایا جانا بھی ضروری ہے۔ جس کا صریح مطلب یہ نکلتا ہے کہ امہات الکتب میں مروی کسی روایت کو صرف متن کی بنیاد پر خلاف عقل ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کسی حدیث کی صحت کا اصل دارومدار خبر مقبول کی پہلی تین اساسی شرائط کے وجود پر ہے، جبکہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ 'اہل درایت' بالخصوص علامہ تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے اقوال کو پیش کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نقدِ سند کی طرح محدثین کے نزدیک نقدِ متن ایک مستقل معیار تحقیق ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ جس قول کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اس قول کے ذکر کرنے کے معا بعد اِمام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی وضاحت خود کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کی عموماً دو شکلیں ہوتی ہیں:

① بعض بے دین اور جھوٹے راوی کسی موضوع حدیث کو ثقہ راویوں کی حدیث میں داخل کر دیتے ہیں، پھر یہ داخل شدہ حدیث ثقہ راوی کی حدیث سمجھ کر روایت کی جاتی۔ مثلاً ابن ابی العوجاء جو حماد بن سلمہ کا سوتیلا بیٹا تھا، وہ ثقہ راوی کی حدیث میں یہ حرکت کیا کرتا تھا۔ حدیث: «إن سفينة نوح طافت بالبيت سبعا وصلت خلف المقام ركعتين» اسی قبیل سے ہے۔

② کوئی راوی جھوٹے اور ضعیف لوگوں سے حدیث سنتا ہے، جس کو یہ لوگ اپنے شیخ سے روایت کرتے تھے لیکن روایت حدیث میں حرص کی وجہ سے یہ راوی درمیان سے جھوٹے اور ضعیف لوگوں کے نام نکال کر براہ راست شیخ سے نقل کرنے لگتا تھا، جس سے حدیث مقلوب ہو جاتی تھی۔[1]

اِمام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مذکورہ شکلوں کی معرفت کو حد درجہ مشکل بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"فإن قوي نظرك ورسخت في هذا العلم فهمت مثل هذا وإن ضعفت فاسأل عنه وإن كان قد قلّ من يفهم هذا بل عدم."[2]

"اگر تیری نظر قوی ہے اور اس علم میں رسوخ حاصل ہے تو اس جیسی صورت کو سمجھ لے گا اور اگر کمزور ہے تو اس کے بارے میں پوچھ لے، اگرچہ اس کے سمجھنے والے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

---

1 كتاب الموضوعات: 1/143

2 أيضاً: 1/145

نتیجہ بحث

'اہل درایت' جس آیت کریمہ کو نقدِ روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے عام طور پر پیش کرتے ہیں:
﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾
"تم نے جب اسے سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے بارے میں اچھا گمان کیا اور یہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔"

اس آیت کریمہ سے 'اہل درایت' کا اپنے اصولِ درایت پر استدلال کرنا عجیب ہے، کیونکہ جس آیت کو انہوں نے نقدِ روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے پیش کیا ہے وہ 'اصولِ درایت' کی دلیل کے بجائے اس طریقہ تحقیق کے رد اور خبر کو 'اصول روایت' سے پرکھنے کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں چند پہلو درج ذیل ہیں:

① مذکورہ آیت کریمہ کو رب ذوالجلال نے واقعۂ افک کے ضمن میں پیش فرمایا ہے۔ عربی زبان میں افک بہتان کو کہتے ہیں جس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔

② حضرت عائشہؓ پر اس بہتان کو باندھنے والوں نے نہ صرف یہ کہ مشاہدہ سے اس بات کو اخذ نہ کیا تھا، بلکہ انہوں نے تہمت لگاتے ہوئے چار گواہیاں بھی پیش نہ کی تھیں۔

③ حضرت عائشہؓ کا رسول اللہ ﷺ جیسے پاکیزہ انسان کی بیوی ہونا اس پر مستزاد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ﴾ لہٰذا ایسی بات کو سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رد نہیں کرنا چاہیے تھا؟ اس وجہ سے کہ ایسی (بے سندی) تہمت کو نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ بیوی پر لگایا جارہا ہے اور مسلمانوں میں سے بھولے بھالے لوگ ان امور پر غور نہیں کررہے۔ مزید برآں اس واقعہ کو چار گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے سنتے ہی رد کردینا چاہیے تھا۔

'اہل درایت' جن دیگر آیات واحادیث کا حوالہ دے کر اپنے درایتی اصولوں کا اثبات کرتے ہیں، ان تمام کے بارے میں اتنا عمومی جائزہ کافی ہے کہ مذکورہ اقوال ائمہ کی طرح یہ تمام آیات واحادیث بھی دراصل ضعیف یا موضوع احادیث کو پہچاننے کی علامات کے ضمن میں شریعت مطہرہ میں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ان کو پیش کرکے سند سے قطع نظر، نقدِ متن کا اثبات کسی صورت ثابت نہیں کیا جاسکتا۔